ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 3904

Program: BS Islamic Studies

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ (شعبہ سیرت اسٹڈیز)

کورس: فقہ السیرۃ النبویہ (3904) • سطح: بی ایس علوم اسلامیہ

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 1 (ریونٹ نمبر 1–5)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 0

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1: سیرت النبی ﷺ سے فقہی مسائل کا استنباط اور فقہاء کے اجتہادات

سوال نمبر 1: فقہاء اور اصولیین کے نزدیک سیرت النبی ﷺ سے فقہی مسائل کے استنباط کی اہمیت بیان کریں اور اس حوالے سے امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور دیگر فقہاء کے اجتہادات کی روشنی میں چند مثالیں پیش کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

فقہ السیرۃ سے مراد سیرت طیبہ کے واقعات کو محض تاریخی بیان سمجھنے کے بجائے ان سے شرعی احکام، اصول اور عملی رہنمائی اخذ کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی قرآن مجید کی عملی تفسیر تھی، اس لیے فقہاء اور اصولیین نے ہمیشہ سیرت کو فقہ کا بنیادی ماخذ قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور آپ ﷺ کے اسوہ کو نمونہ قرار دینے کا حکم دیا گیا ہے، جس کا مفہوم اہل علم نے یہ بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ کا قول، فعل اور کسی عمل پر خاموشی اختیار کرنا، یہ سب شرعی حجت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی نیا مسئلہ پیش آیا تو فقہاء نے سب سے پہلے یہ دیکھا کہ سیرت کے کسی واقعے میں اس کا حل موجود ہے یا نہیں۔ اس سوال میں ہم پہلے استنباط سیرت کی اہمیت بیان کریں گے، پھر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ کے اجتہادات سے منتخب مثالیں پیش کریں گے۔

سیرت بطور ماخذ فقہ: اصولی بنیادیں

اصولیین نے سنت کی تین معروف قسمیں بیان کی ہیں: قول، فعل اور تقریر۔ سیرت کی کتابوں میں یہ تینوں صورتیں واقعات کی شکل میں محفوظ ہیں۔ مثال کے طور پر غزوات میں جنگی احکام، معاہدوں میں سفارتی اور معاہداتی احکام، قضا کے فیصلوں میں عدالتی اصول اور معاشرتی زندگی میں خاندانی و سماجی احکام ملتے ہیں۔ اصولیین کا ایک اہم قاعدہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے افعال کی تشریعی حیثیت کو پہچانا جائے۔ بعض افعال آپ ﷺ نے بحیثیت نبی اور شارع انجام دیے، وہ امت کے لیے حکم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بعض افعال بحیثیت قاضی، حکمران اور سپہ سالار کے تھے، ان سے قضا، سیاست اور جنگ کے اصول اخذ ہوتے ہیں۔ جبکہ بعض افعال بشری عادات سے متعلق تھے، جن میں اصل حکم اباحت یا پسندیدگی کے درجے میں رہتا ہے۔ یہی تقسیم فقہ السیرۃ کی روح ہے، کیونکہ اسی کے ذریعے معلوم ہوتا ہے کہ کس واقعے سے کون سا حکم کس درجے میں ثابت ہوگا۔

دوسری اصولی اہمیت یہ ہے کہ سیرت سے قرآن کے احکام کی تطبیق اور ان کے اسباب و مواقع معلوم ہوتے ہیں۔ نماز، زکوٰۃ، حج اور جہاد جیسے احکام قرآن میں اجمالی طور پر آئے، لیکن ان کی عملی صورت سیرت و سنت سے واضح ہوئی۔ اسی طرح ناسخ و منسوخ کی پہچان بھی سیرت کی تاریخ کے بغیر ممکن نہیں، کیونکہ یہ جاننا ضروری ہے کہ کون سا حکم

پہلے آیا اور کون سا بعد میں۔ یہی سبب ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الرسائل و اصول میں سنت کی حجیت پر طویل بحث کی اور سیرت کے واقعات کو اس کی عملی بنیاد بنایا۔ محدثین اور فقہاء کی مشترکہ کاوشوں سے سیرت کا مواد راویت اور درایت دونوں میزانوں پر پرکھا گیا، اس لیے اس سے اخذ کردہ احکام علمی اعتبار سے مضبوط سمجھے جاتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور سیرت سے استنباط

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مکتب فکر میں سیرت کو خصوصاً سیر یعنی بین الاقوامی اور جنگی قانون کے باب میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ آپ کے شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ نے کتاب السیر الکبیر تصنیف کی، جس کی بنیاد ہی سیرت کے واقعات پر ہے۔ اس کتاب میں امان کا عام، سفیر کی حرمت، دشمن کے ساتھ معاہدے کی پابندی، قیدیوں کے ساتھ سلوک اور مال غنیمت کی تقسیم جیسے مسائل سیرت کی مثالوں سے ثابت کیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر غزوہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں یہ استنباط کیا گیا کہ قیدیوں کے معاملے میں ریاست کے سربراہ کو حالات کے مطابق فدیہ، احسان یا دیگر مناسب فیصلے کا اختیار حاصل ہے، کیونکہ سیرت میں مختلف مواقع پر مختلف طرز عمل ملتے ہیں۔ اسی طرح جزیہ کے باب میں بنو نجران کے عیسائیوں سے ہونے والے معاہدے اور دیگر واقعات کو بنیاد بنایا گیا۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا منہج یہ تھا کہ وہ کسی واقعے کے ظاہری عمل کے ساتھ اس کی علت اور مقصد کو بھی دیکھتے تھے، اس لیے حنفی فقہ میں سیرت سے اخذ کردہ احکام میں وسعت اور عملی حکمت نمایاں نظر آتی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ اور دیگر فقہاء کے اجتہادات

امام شافعی رحمہ اللہ نے کتاب الام میں غزوات و سرایا کی تفصیلات سے جہاد، جزیہ، صلح اور امان کے احکام مرتب کیے۔ آپ کا مشہور استدلال یہ ہے کہ مجوس سے جزیہ لینے کا حکم سیرت و آثار سے ثابت ہوتا ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ھجر کے مجوس سے جزیہ قبول کرنے کی ہدایت فرمائی تھی، جس پر بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمل کیا، جیسا کہ کتب حدیث و سیرت میں منقول ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اہل مدینہ کا تعامل دراصل سیرت کے دور کی زندہ روایت ہے، اس لیے موطا میں متعدد مقامات پر مدنی دور کے واقعات سے احکام اخذ کیے گئے ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی مسند اور فقہی روایات میں بھی سیرت کے واقعات کثرت سے بطور دلیل پیش کیے گئے ہیں۔ بعد

کے ادوار میں ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں فقہ السیرۃ کو باقاعدہ فن کی صورت دی اور ہر واقعے سے درجنوں فوائد و احکام نکالے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں سیرت کے احکام کی حکمتیں بیان کیں۔ ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ ائمہ کے مابین فروعی اختلافات کے باوجود سیرت کی حجیت پر سب کا اتفاق رہا ہے۔

جدول: سیرت کے واقعات سے فقہی استنباط کی منتخب مثالیں

استنباط کی نوعیت	فقہی مسئلہ	سیرت کا واقعہ
فدیہ، احسان اور ریاستی اختیار کے اصول	قیدیوں کے احکام	غزوہ بدر کے قیدی
ظاہری نامساعد شرائط کے باوجود صلح کی مشروعیت اور پابندی عہد	معاہدے اور صلح کے احکام	صلح حدیبیہ
معاہدے کے تحت تحفظ جان و مال اور مذہبی آزادی کا اصول	جزیہ اور اہل کتاب کے حقوق	بنو نجران کا معاہدہ
اعمال حج کی عملی ترتیب اور تفصیل	مناسک حج	حجۃ الوداع کا حج
گواہی، قسم اور مدعی و مدعا علیہ کے اصولِ ثبوت	عدالتی اصول	قضائے نبوی کے فیصلے

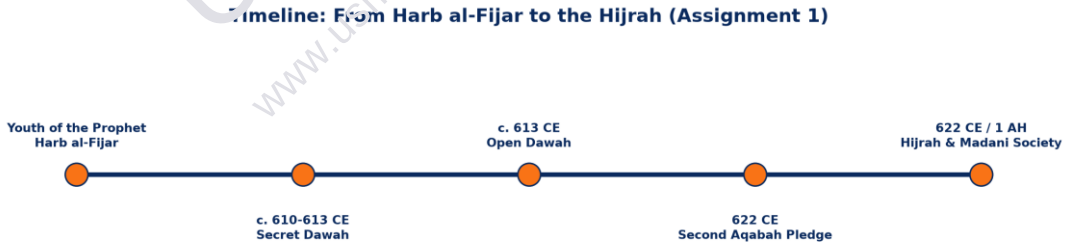
عصری اہمیت

آج کے دور میں بین الاقوامی قانون، انسانی حقوق، سفارت کاری اور جنگی قوانین جیسے شعبوں میں سیرت سے استنباط کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے۔ جنیوا معاہدوں سے صدیوں پہلے سیرت نے سفیر کی حرمت، غیر مقاتلین کے تحفظ اور معاہدوں کی پاسداری کے اصول دے دیے تھے، جنہیں فقہاء نے کتاب السیر کی صورت میں مرتب کیا۔ جدید محققین اسی لیے فقہ السیرۃ کو اسلامی قانون کی تاریخی اور عملی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ البتہ یہ نکتہ بھی اہم ہے کہ کسی واقعے سے حکم اخذ کرنا اہل علم کا کام ہے، جو اصول فقہ، عربی زبان اور

روایات کی جانچ سے واقف ہوں۔ عام قاری کو کسی مخصوص فرد یا معاملے پر حکم لگانے کے بجائے مستند علماء سے رجوع کرنا چاہیے، کیونکہ فقہی تطبیق میں موقع، محل اور شرائط کا لحاظ ناگزیر ہوتا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ سیرت النبی ﷺ فقہ اسلامی کا زندہ اور عملی ماخذ ہے۔ صحابہ نے اس کے حجت ہونے کے اصول مرتب کیے، امام ابو حنیفہ اور امام محمد نے اس سے سیر و مغازی کا قانون مدون کیا، امام شافعی نے اس سے اصول و فروع کی بنیادیں اخذ کیں، امام مالک نے اسے مدنی تعامل کی صورت میں محفوظ کیا اور متاخرین نے اس فن کو وسعت دی۔ سیرت سے استنباط کا یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے اور یہی اس دین کی جامعیت کی دلیل ہے کہ اس کی تعلیمات کتابی احکام تک محدود نہیں بلکہ ایک مکمل عملی زندگی کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے، جس سے ہر دور کے مسائل کا حل اصولوں کی روشنی میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔



شکل: حرب الفجار سے ہجرت مدینہ تک اہم مراحل (Assignment 1)

سوال نمبر 2: حرب الفجار — وجوہات، کردار نبوی ﷺ اور اخذ کردہ اصول

سوال نمبر 2: حرب الفجار کے وقوع پذیر ہونے کی وجوہات کیا تھیں اور اس جنگ کے دوران رسول اللہ ﷺ کے کردار سے کیا اصول اخذ کیے جا سکتے ہیں؟ (20 نمبر)

تعارف

حرب الفجار عرب کی جاہلی تاریخ کی ان مشہور جنگوں میں سے ہے جن میں نبی کریم ﷺ نے اپنی نوجوانی میں شرکت فرمائی۔ اسے الفجار اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ جنگ اشہر حرم یعنی حرمت والے مہینوں میں لڑی گئی، جن میں جنگ کو عرب بھی گناہ اور حرمت کی پامالی سمجھتے تھے۔ سیرت نگاروں کے مطابق اس جنگ کے وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک کے بارے میں دو مشہور روایات ہیں: ابن ہشام نے سیرت ابن اسحاق کی بنیاد پر تقریباً پندرہ سال ذکر کی ہے، جبکہ بعض دیگر روایات میں بیس سال کے قریب عمر بیان ہوئی ہے۔ یہ اختلاف اہل سیرت کے ہاں معروف ہے اور اس سے اصل واقعے کی حیثیت پر فرق نہیں پڑتا۔ یہ جنگ قریش اور کنانہ کے اتحاد اور قبیلہ قیس عیلان کے درمیان ہوئی اور کئی برسوں میں مختلف معرکوں کی صورت میں جاری رہی، جن میں یوم عکاظ سب سے مشہور ہے۔ اس سوال میں ہم اس کی وجوہات اور اس میں رسول اللہ ﷺ کے کردار سے اخذ ہونے والے اصولوں کا جائزہ لیں گے۔

جنگ کے اسباب و وجوہات

سیرت کی کتابوں میں بیان ہونے والا پس منظر یہ ہے کہ لحیان کے بادشاہ نعمان بن منذر کا ایک قافلہ یا اس کی طرف سے بھیجی جانے والی تجارت کا معاملہ درپیش تھا۔ البراض بن قیس کنانی نے عروہ الرحال قیسی کو، جو قافلے کی حفاظت پر مامور تھا، قتل کر دیا۔ یہ قتل اس زمانے میں قبائلی عزت اور تحفظ کے نظام پر براہ راست حملہ سمجھا گیا۔ خبر جب قبائل تک پہنچی تو قیس عیلان نے اسے اپنی توہین قرار دیا اور جوابی کارروائی شروع ہو گئی۔ دوسری بنیادی وجہ قبائلی عصبیت اور باہمی رقابت تھی۔ قریش و کنانہ اور قیس عیلان کے درمیان عکاظ کے میلے اور تجارتی راہداریوں پر اثر و رسوخ کی کشمکش پہلے سے موجود تھی۔ تیسرا سبب میلے عکاظ کی فضا تھی، جہاں تمام قبائل جمع ہوتے، شاعری اور فخر و مباہات کی محفلیں ہوتیں، اور معمولی تنازع بھی بڑے تصادم کی شکل اختیار کر لیتا تھا۔ چوتھی وجہ یہ تھی کہ عرب معاشرے میں مرکزی حکومت اور منظم عدالتی نظام موجود نہیں تھا، اس لیے ہر قبیلہ اپنا بدلہ خود لیتا تھا اور قصاص و خون بہا کا کوئی متفقہ طریقہ رائج نہ تھا۔ انہی اسباب نے ایک انفرادی قتل کو برسوں پر محیط قبائلی جنگ میں بدل دیا۔

جنگ میں رسول اللہ ﷺ کا کردار

روایات کے مطابق آپ ﷺ اپنے چچاؤں کے ساتھ معرکوں میں شریک ہوئے، لیکن آپ ﷺ کا کردار براہ راست قتل و قتال کا نہیں تھا۔ ابن ہشام کی بیان کردہ روایت کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے چچاؤں کو تیر اٹھا کر دیتے تھے یعنی معاون کردار ادا کرتے تھے۔ بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے کسی کو قتل نہیں کیا۔ اس سے یہ تاریخی تصویر بنتی ہے کہ آپ ﷺ کی شرکت قبائلی ذمہ داری اور خاندانی ہمراہی کی حد تک تھی، نہ کہ جارحیت اور خونریزی کے شوق میں۔ اہل سیرت اس نکتے کو آپ ﷺ کی سیرت کے اس پہلو سے جوڑتے ہیں کہ نبوت سے پہلے بھی آپ ﷺ صادق، امین اور مظلوم کے حامی کے طور پر معروف تھے۔ اسی مزاج کا اظہار بعد میں حلف الفضول میں ہوا، جس میں آپ ﷺ نے مظلوم کی مدد کے عہد میں شریک ہونا پسند فرمایا اور نبوت کے بعد بھی اس معاہدے کی تعریف فرمائی، جیسا کہ سیرت کی کتابوں میں منقول ہے۔

اخذ کردہ اصول

حرمت والے مہینوں اور مقدس حدود کا احترام

اس جنگ کا نام ہی اس اصول کی یاد دہانی ہے کہ اشہر حرم میں جنگ حرمت کی پامالی ہے۔ فقہاء نے سیرت و قرآن کی مجموعی رہنمائی سے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ مقدس اوقات اور مقامات کی حرمت کی رعایت اصل ہے، اور دفاعی ضرورت کے سوا قتال کی ابتدا جائز رویہ نہیں۔ جنگ کا الفجار کہلانا خود عرب معاشرے کی اس اجتماعی سمجھ کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ اقدام قابل مذمت تھا۔

جارحیت کے بجائے دفاع اور محدود شرکت

آپ ﷺ کے معاون کردار سے یہ اصول ملتا ہے کہ ناگزیر صورت حال میں بھی شرکت کا دائرہ محدود رکھا جائے اور بے مقصد خونریزی سے اجتناب کیا جائے۔ فقہ السیرۃ کے ماہرین اس سے یہ نکتہ اخذ کرتے ہیں کہ جنگ میں بھی مناسب ضرورت اور اخلاقی حدود کا لحاظ رکھنا نبوی اسوہ کا حصہ ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نوجوان کی تربیت میں خاندان اور برادری کے ساتھ کھڑا ہونا ایک سماجی قدر ہے بشرطیکہ اس کا مقصد ظلم کی حمایت نہ ہو۔

ظلم کے خلاف اجتماعی عہد کی قدردانی

حرب الفجار کے بعد قریش کے چند خاندانوں نے حلف الفضول کے نام سے مظلوم کی مدد کا معاہدہ کیا جس میں نوجوان نبی ﷺ بھی شریک ہوئے۔ فقہاء و سیرت نگار اس سے یہ اصول اخذ کرتے ہیں کہ عدل و انصاف کے لیے کیا گیا معاہدہ اگرچہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی ہو تو اس کی پاسداری اور قدردانی درست ہے۔ اسی اصول پر بعد میں مدنی دور کے معاہدوں کی بنیاد سمجھی جا سکتی ہے کہ معاشرتی امن کے معاہدے مذہبی اختلاف کے باوجود برقرار رکھے جاتے ہیں۔

قبائلی عصبیت کی مذمت اور اصلاح کی ضرورت

یہ جنگ اس امر کی بھی تعلیم دیتی ہے کہ عصبیت اور انتقام کا نظام معاشرے کو برسوں کی تباہی میں دھکیل دیتا ہے۔ اسلام نے بعد میں اسی نظام کی اصلاح کی: قتل کا بدلہ ذاتی انتقام کے بجائے شرعی و عدالتی طریقے سے، دیت کا منظم قانون اور صلح کی ترغیب دی گئی۔ یوں فقہ السیرۃ حرب الفجار کو ایک منفی پس منظر کے طور پر پڑھتی ہے، جس کے مقابلے میں نبوی نظام عدل کی قدر و قیمت واضح ہوتی ہے۔

نتیجہ

حاصل کلام یہ ہے کہ حرب الفجار کی بنیادی وجوہات ایک قافلے کے محافظ کا قتل، قبائلی عصبیت، عکاظ کی تجارتی و سماجی کشمکش اور مرکزی عدل کے نظام کی عدم موجودگی تھیں۔ اس جنگ میں رسول اللہ ﷺ کا کردار محدود، معاون اور خونریزی سے دور تھا، جس سے حرمت کی پاسداری، دفاع تک محدود شرکت، مظلوم کی حمایت کے معاہدوں کی قدر

اور عصبیت کے نظام کی اصلاح جیسے اصول اخذ ہوتے ہیں۔ یہی فقہ السیرۃ کا خاصہ ہے کہ وہ قبل از نبوت کے واقعات کو بھی آئندہ نبوی نظام کی تمہید کے طور پر پڑھتی ہے۔ یاد رہے کہ تاریخی روایات کی تفصیلات میں اختلاف کی صورت میں قطعی رائے اہل تحقیق کا کام ہے، عام طالب علم کو چاہیے کہ وہ مستند کتب سیرت کے حوالے سے مطالعہ کرے۔

سوال نمبر 3: فقہ السیرۃ کی روشنی میں علانیہ دعوت کے بنیادی اصول اور عصر حاضر میں ان کا اطلاق

سوال نمبر 3: فقہ السیرۃ کی روشنی میں علانیہ دعوت کے بنیادی اصول کیا ہیں اور عصرِ حاضر میں ان کا اطلاق کیسے ممکن ہے؟ (20 نمبر)

تعارف

دعوت الی اللہ نبوت کا مرکزی فریضہ ہے۔ مکہ کے ابتدائی تقریباً تین برس دعوت خفیہ رہی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے دعوت علانیہ شروع ہوئی۔ قرآن مجید میں اس مرحلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو ہدایات آئی ہیں، ان کا مفہوم اہل تفسیر نے یہ بیان کیا ہے کہ جو حکم دیا گیا ہے اسے کھل کر پہنچایا جائے اور مشرکین کی مخالفت کی پروا نہ کی جائے، اور قریبی رشتہ داروں کو سب سے پہلے خبردار کیا جائے۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر قریش کو پکارا، اپنی صداقت کی شہادت لی اور پھر توحید کا پیغام پیش کیا، جیسا کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی روایات میں اس واقعے کا تذکرہ ملتا ہے۔ علانیہ دعوت کے اس مرحلے سے فقہ السیرۃ میں دعوت کے کئی پائیدار اصول اخذ کیے گئے ہیں، جن کا اطلاق آج بھی ممکن اور ضروری ہے۔ اس جواب میں پہلے یہ اصول بیان کیے جائیں گے، پھر عصر حاضر میں ان کے اطلاق کی صورتیں پیش کی جائیں گی۔

علانیہ دعوت کے بنیادی اصول

1. تیاری کے بعد اعلان

پہلا اصول یہ ہے کہ علانیہ دعوت سے پہلے خفیہ تیاری کا مرحلہ ہوتا ہے، جس میں افراد کی تربیت، بنیادی عقیدے کی پختگی اور ایک جماعت کی تشکیل ہوتی ہے۔ دارارقم کا مرحلہ اسی تیاری کی مثال ہے۔ فقہ السیرۃ کی رو سے بغیر تیاری کے اعلان دعوت کو نقصان پہنچا سکتا ہے، اس لیے اعلان کا وقت حکمت اور تیاری سے جڑا ہوتا ہے۔

2. توحید کی واضح اور غیر مبہم پیش کش

صفا کی پکار میں پیغام بالکل واضح تھا: اللہ کی وحدانیت، بت پرستی کی تردید اور آخرت کی جواب دہی۔ کوئی سیاسی نعرہ یا قبائلی مطالبہ اس اعلان کا حصہ نہیں تھا۔ اس سے اصول ملتا ہے کہ دعوت کی بنیاد عقیدے کی وضاحت پر ہو، داعی اپنے مقصد کو چھپائے نہیں اور مخاطب کو دھوکے میں رکھ کر پیروکار نہ بنائے۔

3. قریبی حلقے سے آغاز اور تدریج

قرآن کی ہدایت کے مطابق پہلے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کیا گیا، پھر قبیلے کو، پھر اہلِ مکہ کو اور آگے چل کر پورے عرب اور پھر عالمی سطح پر پیغام پہنچا۔ یہ تدریج دعوت کا مستقل اصول ہے: داعی اپنے قریبی ماحول سے آغاز کرے جہاں اس کی رسائی اور ذمہ داری سب سے زیادہ ہے۔

4. داعی کا کردار بطور پہلی دلیل

صفا پر آپ ﷺ نے سب سے پہلے اپنی صداقت و امانت کی گواہی خود اہلِ مکہ سے لی اور انہوں نے تسلیم کیا کہ انہوں نے آپ ﷺ کو ہمیشہ سچا پایا ہے۔ اس سے یہ اصول نکلتا ہے کہ دعوت کی سچائی کا سب سے بڑا ثبوت داعی کا کردار ہوتا ہے۔ جس داعی کی زندگی اس کے پیغام سے متصادم ہو، اس کی دعوت اثر کھو دیتی ہے۔

5. مخالفت میں صبر اور عدم تشدد

علانیہ دعوت کے بعد اذیتوں کا طویل سلسلہ شروع ہوا: طعن و تشنیع، سماجی مقاطعہ، جسمانی اذیتیں اور کردار کشی۔ اس سب کے جواب میں مکی دور میں انتقام یا تشدد کی راہ اختیار نہیں کی گئی بلکہ صبر، دعا اور مسلسل دعوت کا طریقہ اپنایا گیا۔ یہ اصول آج بھی دعوت کی پہچان ہے کہ ردِ عمل دلیل اور اخلاق سے ہو، جبر اور تشدد سے نہیں۔

6. مواقع اور ذرائع ابلاغ کا استعمال

آپ ﷺ حج کے موسم میں قبائل کے ڈیروں پر جاتے، عکاظ اور دیگر اجتماعات میں پیغام پیش کرتے اور ہر آنے والے وفد سے ملاقات کرتے تھے۔ اس سے اصول اخذ ہوتا ہے کہ ہر دور کے مؤثر ذرائع ابلاغ اور اجتماعات کو دعوت کے لیے بروئے کار لانا حکمت دعوت کا تقاضا ہے۔

عصر حاضر میں اطلاق

عصر حاضر میں ان اصولوں کا اطلاق کئی صورتوں میں ممکن ہے۔ اولاً، ڈیجیٹل میڈیا آج کا عکاظ اور آج کی صفا ہے۔ داعی اور طالب علم کو چاہیے کہ وہ مستند علم، اچھے اخلاق اور واضح زبان کے ساتھ سوشل میڈیا اور دیگر پلیٹ فارم استعمال کرے، مگر فرقہ وارانہ مناظرہ بازی اور بدزبانی سے پرہیز کرے، کیونکہ نبوی اصول حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلانے کا ہے، جس کا مفہوم سورہ نحل کی دعوتی ہدایت میں بیان کیا گیا ہے۔ ثانیاً، تعلیمی ادارے، مساجد اور مطالعاتی حلقے خفیہ تیاری کے مرحلے کی جدید صورت ہیں جہاں افراد کی علمی و اخلاقی تربیت ہوتی ہے۔ ثالثاً، غیر مسلموں تک پیغام پہنچانے میں بین المذاہب مکالمہ، تراجم قرآن کی فراہمی اور خدمت خلق کے کام وہی کردار ادا کرتے ہیں جو مکی و مدنی دور میں حسن اخلاق اور خدمت نے ادا کیا تھا۔ رابعاً، اپنے قریبی حلقے یعنی خاندان اور اہل محلہ سے آغاز آج بھی اسی طرح مؤثر ہے، کیونکہ قریبی لوگ داعی کے کردار کو قریب سے دیکھتے ہیں۔ خامساً، دعوت میں قانون کی پابندی ناگزیر ہے۔ جس ملک میں داعی رہتا ہے وہاں کے قوانین اور معاشرتی آداب کی رعایت نبوی حکمت کے عین مطابق ہے، کیونکہ دعوت کا مقصد اصلاح ہے، انتشار نہیں۔

جدول: علانیہ دعوت کے اصول اور جدید اطلاق

عصر حاضر میں اطلاق	سیرت کی مثال	نبوی اصول
مطالعاتی حلقے، تربیتی کورسز اور منظم ادارے	دار ارقم اور خفیہ دعوت کا مرحلہ	تیاری کے بعد اعلان
واضح، سادہ اور مستند مواد کی اشاعت	کوہ صفا کا اعلان	پیغام کی وضاحت

داعی کی دیانت، شفافیت اور خدمت خلق	اہل مکہ کی گواہی بر صداقت	کردار کی شہادت
اختلاف کا جواب دلیل اور قانون کے دائرے میں	مکی اذیتوں پر صبر	صبر وعدم تشدد
ڈیجیٹل میڈیا اور بین المذاہب مکالمہ	حج کے اجتماعات اور وفود سے ملاقات	ذرائع کا استعمال

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ علانیہ دعوت کے بنیادی اصول تیاری، وضاحت، تدریج، کردار، صبر، حکمت اور ذرائع کے درست استعمال پر مشتمل ہیں۔ یہ اصول کسی ایک دور تک محدود نہیں رہے، بلکہ قیامت تک کے داعیوں کے لیے رہنما ہیں۔ عصر حاضر میں ان کا اطلاق ڈیجیٹل ابلاغ، تعلیم، خدمت خلق اور مکالمے کے ذریعے ممکن ہے، بشرطیکہ دعوت کا مواد مستند ہو، اسلوب شائستہ ہو اور مقصد محض اصلاح ہو۔ دینی معاملات میں عوامی فتوے اور افراد پر احکام کی تطبیق اہل علم کا فریضہ ہے، داعی کا کام پیغام کو حکمت سے پہنچانا ہے، یہی فقہ السیرۃ کی اصل تعلیم ہے۔

سوال نمبر 4: بیعت عقبہ ثانیہ — اسباب، شرائط، نتائج اور ہجرت مدینہ سے تعلق

سوال نمبر 4: بیعت عقبہ ثانیہ کے اسباب، شرائط اور نتائج پر روشنی ڈالیں اور یہ وضاحت کریں کہ اس بیعت نے ہجرت مدینہ کے دروازے کس طرح کھولے؟ (20 نمبر)

تعارف

بیعت عقبہ ثانیہ اسلامی تاریخ کا وہ فیصلہ کن موڑ ہے جس نے مکی دعوت کو مدنی ریاست کی دہلیز پر پہنچا دیا۔ یہ بیعت ذوالحجہ کے مہینے میں، ہجرت سے چند ماہ قبل، منیٰ کے قریب عقبہ کے مقام پر رات کے وقت ہوئی۔ سیرت کی مستند روایات کے مطابق اس میں یثرب سے آئے ہوئے تقریباً پچھتر افراد شریک تھے، جن میں دو خواتین بھی شامل تھیں، اور ان کا تعلق اوس اور خزرج دونوں قبائل سے تھا۔ اس سے ایک سال قبل بیعت عقبہ اولیٰ ہو چکی تھی، جس میں بارہ افراد نے اخلاقی و دینی امور پر بیعت کی تھی اور اس کے بعد

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو معلم بنا کر مدینہ بھیجا گیا تھا۔ بیعت ثانیہ کا درجہ اس سے آگے کا تھا، کیونکہ اس میں نبی کریم ﷺ کی حفاظت اور مدینہ کو دعوت و ہجرت کا مرکز بنانے کا باقاعدہ عہد لیا گیا تھا۔

بیعت کے اسباب

اس بیعت کے اسباب کئی سطحوں پر تھے۔ پہلا سبب یثرب کی داخلی صورتِ حال تھی۔ اوس اور خزرج کے درمیان طویل جنگوں، خصوصاً جنگ بعاث نے دونوں قبائل کو تھکا دیا تھا اور وہ کسی ایسی قیادت کے متلاشی تھے جو انہیں متحد کر سکے۔ دوسرا سبب یہودی قبائل کی وہ خبریں تھیں جن میں ایک آنے والے نبی کا ذکر ہوتا تھا، جس سے اہل یثرب کے دلوں میں قبولیت کی زمین پہلے سے ہموار ہو چکی تھی۔ تیسرا اور سب سے اہم سبب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی ایک سالہ مسلسل تبلیغ و تعلیم تھی، جس کے نتیجے میں مدینہ کے بڑے بڑے سردار اور بیشتر گھرانے اسلام قبول کر چکے تھے۔ چوتھا سبب مکی مسلمانوں کی مظلومیت تھی، جسے اہل یثرب بہ دیکھ رہے تھے کہ مکہ میں دعوت کو مزید جگہ نہیں مل رہی، جبکہ مدینہ اس مرکز کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یوں بیعت ثانیہ دراصل دعوت کی اجتماعی ضرورت اور مدینہ کی آمادگی کے میل کا نام تھی۔

بیعت کی شرائط

سیرت کی روایات میں اس بیعت کی شرائط کا مفہوم یوں بیان ہوا ہے کہ اہل مدینہ نے اللہ کی عبادت، شرک سے اجتناب اور نیکی کے کاموں میں اطاعت کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی عہد کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اسی طرح حفاظت کریں گے جس طرح اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہیں، اور اس راہ کی ہر مشکل میں آپ ﷺ کا ساتھ دیں گے۔ اس موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے، جو اس وقت تک ظاہری طور پر اسلام نہیں لائے تھے، اہل مدینہ کو صورتِ حال کی سنگینی واضح طور پر سمجھائی کہ یہ عہد پورے عرب سے مقابلے کا عہد ہے، اگر ساتھ نبھا سکتے ہو تو بیعت کرو ورنہ ابھی سے معذرت کر لو۔ اہل یثرب نے پوری آمادگی ظاہر کی اور پوچھا کہ اس وفاداری کے بدلے انہیں کیا ملے گا، جس پر جواب ملا کہ جنت ملے گی، یعنی معاوضہ اخروی ہے، دنیوی مفاد نہیں۔ پھر بارہ نقیب مقرر کیے گئے، نو خزرج سے اور تین اوس سے، تاکہ بیعت کے بعد مقامی تنظیم قائم رہے۔ عبادہ بن صامت اور دیگر صحابہ کی روایات میں ان شرائط کا تذکرہ محفوظ ہے۔

جدول: بیعت عقبہ ثانیہ کے اسباب، شرائط اور نتائج

پہلو	تفصیل
اسباب	اوس و خزرج کی تھکن و اتحاد کی ضرورت، مصعب بن عمیر کی تبلیغ، مکی مسلمانوں کی مظلومیت، مدینہ کی آمادگی
شرائط	توحید و اطاعت، رسول اللہ ﷺ کی مکمل حفاظت، مشکل میں ساتھ، اجرِ جنت، بارہ نقیبوں کی تنظیم
نتائج	مدینہ دعوت کا محفوظ مرکز قرار پایا، ہجرت کا عملی راستہ کھلا، انصار کی جماعت منظم صورت میں سامنے آئی

USMAN NOTES www.usmannotes.com

نتائج اور ہجرت مدینہ کا راستہ

اس بیعت کے نتائج دور رس تھے۔ سب سے پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کو پہلی مرتبہ ایک محفوظ جغرافیائی مرکز میسر آ گیا۔ دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل مدینہ کی حیثیت انصار یعنی مددگاروں کی ہو گئی اور مسلمانوں کو ایک منظم حمایتی جماعت مل گئی۔ تیسرا نتیجہ تنظیمی تھا: نقیبوں کے نظام نے مدینہ میں پہلے سے ایک مقامی قیادت کا ڈھانچہ قائم کر دیا، جو ہجرت کے بعد ریاست کی تشکیل میں بنیاد بنا۔ ہجرت کے دروازے اس طرح کھلے کہ اسی بیعت کے بعد نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کی عمومی اجازت دی، چنانچہ مہاجرین کے قافلے یکے بعد دیگرے مدینہ پہنچنے لگے۔ آخر میں خود رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے۔ اگر یہ بیعت نہ ہوتی تو ہجرت ایک انفرادی پناہ ہوتی، مگر بیعت نے اسے ایک اجتماعی عہد، تحفظ کی ضمانت اور ریاست کی بنیاد بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سیرت اس بیعت کو تاریخ اسلام کے بڑے معاہدوں میں شمار کرتے ہیں۔

فقہ السیرۃ کی روشنی میں بیعت کا اصولی جائزہ

فقہ السیرۃ کے ماہرین اس بیعت سے کئی اہم اصولی فوائد اخذ کرتے ہیں۔ پہلا فائدہ یہ ہے کہ بیعت رضامندی اور اجتماعی عہد کا عمل ہے، جبر کا نہیں، اسی لیے اہل مدینہ نے بخوبی سوچ سمجھ کر اور خطرات سے آگاہ ہونے کے بعد بیعت کی۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ عہد سے پہلے خطرات کی وضاحت نبوی شفافیت کا نمونہ ہے: حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کھلے لفظوں میں بتایا کہ اس بیعت کا مطلب تمام عرب سے دشمنی مول لینا ہے تاکہ کوئی دھوکے میں رہ کر عہد نہ کرے۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ بیعت میں دنیوی منصب یا مال کی پیشکش ہرگز نہیں تھی، بلکہ اجر کو آخرت سے جوڑا گیا، جس سے یہ اصول واضح ہوتا ہے کہ دین خدمت کی بنیاد اخلاص ہے، مفاد نہیں۔ چوتھا فائدہ تنظیمی بصیرت کا ہے کہ نقیبوں کے انتخاب میں دونوں قبائل کو نمائندگی دی گئی تاکہ کوئی طبقہ محرومی کا احساس نہ کرے۔ پانچواں فائدہ یہ ہے کہ اس بیعت میں خواتین کی شمولیت بھی ثابت کرتی ہے کہ معاشرتی عہد میں عورت کی رائے اور شمولیت کو ابتدا ہی سے اہمیت دی گئی تھی۔ یہ تمام نکات اس بیعت کو محض ایک تاریخی خبر کے بجائے آج کے منتظم اور داعی کے لیے عملی رہنما بنا دیتے ہیں کہ ہر بڑا اجتماعی فیصلہ تیاری، شفافیت، نمائندگی اور اخلاص کے ساتھ ہونا چاہیے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ بیعت عقبہ ثانیہ کے اسباب میں یثرب کی داخلی تھکن، مصعب بن عمیر کی کامیاب تبلیغ اور مکی دعوت کی ضروریات شامل تھیں۔ اس کی شرائط توحید، اطاعت، مکمل حفاظت اور اخروی اجر پر مبنی تھیں، اور اس کے نقیبوں کا نظام اس کی تنظیمی حکمت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس بیعت نے ہجرت مدینہ کو محض نقل مکانی سے بڑھا کر ایک باضابطہ اسلامی مرکز کے قیام میں بدل دیا۔ فقہ السیرۃ کی رو سے اس واقعے کا سبق یہ ہے کہ بڑے دینی و سماجی منصوبے یکایک نہیں بنتے، بلکہ تیاری، عہد، تنظیم اور قربانی کے مراحل سے گزر کر تکمیل پاتے ہیں۔

سوال نمبر 5: ہجرت نبوی کے بعد اسلامی معاشرتی نظام کی تبدیلیاں اور اثرات

سوال نمبر 5: ہجرت نبوی کے بعد اسلامی معاشرتی نظام میں آنے والی تبدیلیوں اور ان کے اثرات پر تفصیلی گفتگو کریں۔ خصوصاً اسلامی تقویم کی بنیاد ہجرت پر رکھے جانے، مہاجرین اور انصار کے تعلقات اور مدینہ میں اسلامی ریاست کے قیام پر روشنی ڈالیں۔ (20 نمبر)

تعارف

ہجرت نبوی صرف ایک شہر سے دوسرے شہر کا سفر نہیں تھی، بلکہ ایک نئے معاشرے اور ایک نئی ریاست کی پیدائش تھی۔ مکہ میں اسلام ایک دعوت اور عقیدے کی صورت میں موجود تھا، مدینہ میں وہ ایک مکمل معاشرتی نظام بن گیا، جس میں عبادت، معیشت، خاندان، عدل، دفاع اور بین المذاہب تعلقات سب شامل تھے۔ تشریف آوری کے پہلے ہی مہینوں میں مسجد نبوی کی تعمیر، مواخات کا نظام، میثاق مدینہ کی تدوین اور اذان و جماعت کا باقاعدہ اہتمام جیسے اقدامات نے اس نئے نظام کی بنیادیں رکھ دیں۔ اس جواب میں ہم ان تبدیلیوں کو تفصیل سے بیان کریں گے اور سوال کے تین خاص نکات یعنی تقویم ہجری، مواخات اور ریاست مدینہ کے قیام کا خصوصی جائزہ لیں گے۔

معاشرتی نظام کی بڑی تبدیلیاں

قبیلے سے امت تک

سب سے بنیادی تبدیلی شناخت کی تھی۔ عرب معاشرے میں انسان کی پہچان اس کا قبیلہ اور نسب تھا، مدنی نظام نے پہچان کی بنیاد ایمان اور تقویٰ کو بنا دیا۔ اوس اور خزرج کی صدیوں پرانی دشمنی ختم ہوئی، مہاجر و انصار ایک امت بنے اور غلام و آزاد، عرب و عجم ایک ہی صف میں کھڑے ہونے لگے۔ فقہ السیرۃ کی اصطلاح میں یہ تبدیلی عصبیت سے اخوت کی طرف سفر تھی، جس کے بغیر کوئی بھی اصلاحی نظام قائم نہیں رہ سکتا۔

مسجد بطور معاشرتی مرکز

مسجد نبوی صرف عبادت گاہ نہیں رہی بلکہ تعلیم، مشاورت، قضا، سفارت اور سماجی رابطے کا مرکز بن گئی۔ صفہ کے نظام سے اہل علم کی ایک جماعت تیار ہوئی، جو بعد میں مختلف علاقوں میں معلم بن کر گئی۔ اس سے یہ اصول اخذ ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں عبادت اور سماجی زندگی الگ الگ خانوں میں نہیں بٹتیں بلکہ ایک ہی مرکز سے جڑی ہوتی ہیں۔

معاشی و خاندانی اصلاحات

مدنی دور میں زکوٰۃ کا باقاعدہ نظام، سود کی حرمت کی تدریجی تکمیل، میراث کے احکام، نکاح و طلاق کے قوانین اور کاروباری دیانت کی ہدایات نے معیشت اور خاندان دونوں کو منظم کیا۔ مدینہ کا الگ مسلمان بازار قائم ہوا تاکہ معاشی سرگرمیاں یہودی سرمایہ دارانہ اجارہ داری سے آزاد ہو کر اخلاقی اصولوں کے تحت چل سکیں۔ ان اصلاحات کے اثرات یہ نکلے کہ مال کی گردش بڑھی، کمزور طبقات کو حصہ ملا اور معاشرہ استحصال سے نکل کر تعاون کی طرف آیا۔

اسلامی تقویم کی بنیاد ہجرت پر رکھا جانا

اسلامی تقویم یعنی کلینڈر کی بنیاد ہجرت پر رکھے جانے کا فیصلہ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مشاورت سے ہوا، جب سرکاری مہروں اور دستاویزات کی تاریخوں میں ابہام پیدا ہونے لگا۔ مشورے میں کئی تجاویز آئیں: ولادت نبوی، بعثت اور وفات وغیرہ، لیکن اتفاق اس پر ہوا کہ سن ہجری ہجرت کے سال سے شروع ہو، کیونکہ ہجرت ہی وہ موڑ ہے جہاں حق و باطل الگ ہوئے اور اسلامی ریاست قائم ہوئی۔ سال کا آغاز محرم سے رکھا گیا۔ اس فیصلے کے اثرات گہرے ہیں۔ ایک تو مسلمانوں کو اپنی مستقل تاریخی شناخت ملی جو کسی بادشاہ کے دور حکومت سے نہیں بلکہ ایک دینی واقعے سے جڑی ہے۔ دوسرا یہ کہ عبادات کا نظام، رمضان، حج، زکوٰۃ اور عدت وغیرہ کے حساب اسی تقویم سے منظم ہو گیا۔ تیسرا یہ کہ ہر نیا سال مسلمان کو ہجرت کے مفہوم یعنی اللہ کے لیے قربانی اور نئی زندگی کے آغاز کی یاد دلاتا ہے۔ فقہ السیرۃ کے ماہرین کے نزدیک تقویم کا یہ انتخاب اس بات کی علامت ہے کہ اسلامی تہذیب میں وقت کی قدر و قیمت واقعات نبوی سے متعین ہوتی ہے۔

مہاجرین وانصار کے تعلقات: مواخات

ہجرت کے بعد سب سے فوری مسئلہ مہاجرین کی آبادکاری کا تھا، جو اپنا مال و وطن چھوڑ کر آئے تھے۔ اس کا حل مواخات یعنی دینی بھائی چارے کی صورت میں نکالا گیا، جس میں ہر مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی بنا دیا گیا۔ انصار نے اپنے گھر، باغات اور مال پیش کیے۔ اس کی مشہور مثال حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی ہے، جس میں انصاری صحابی نے اپنے مال کا نصف پیش کیا، مگر مہاجر صحابی نے بازار کا راستہ پوچھ کر خود کمانے کو ترجیح دی، جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت میں اس کا تذکرہ ہے۔ اس واقعے میں دونوں فریقوں کے اخلاق نمایاں ہیں: ایک طرف ایثار، دوسری طرف خودداری کی مثال۔ مواخات کے اثرات یہ نکلے کہ مہاجرین چند ہی عرصے میں معاشی طور پر مستحکم ہو گئے، انصار کو دینی خدمت کا عظیم اجر ملا، اور مدینہ کا معاشرہ دو طبقوں میں بٹنے کے بجائے ایک خاندان بن گیا۔ ابتدائی دور میں مواخات کی بنیاد پر میراث کا وقتی حکم بھی رہا، جو بعد میں قرابت کی میراث کے حکم سے تبدیل ہوا، جس سے فقہاء نے تدریجی قانون سازی کا اصول اخذ کیا ہے۔

مدینہ میں اسلامی ریاست کا قیام

مدینہ میں ریاست کا قیام میثاق مدینہ سے باقاعدہ صورت اختیار کر گیا، جسے کئی محققین دنیا کے قدیم ترین تحریری دستوروں میں شمار کرتے ہیں۔ اس میثاق میں مسلمانوں کو ایک امت قرار دیا گیا، مدینہ کو حرم اور پرامن خطہ قرار دیا گیا، یہودی قبائل کو ان کے مذہب کے ساتھ شہری حقوق دیے گئے، اور یہ طے پایا کہ خارجی حملے کی صورت میں سب مل کر دفاع کریں گے اور تنازعات کا آخری فیصلہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہو گا۔ ریاست کے ادارے بتدریج قائم ہوئے: قضا کے لیے قاضی، مال کے لیے بیت المال کی ابتدائی صورت، دفاع کے لیے منظم فوج اور سرایا، خارجہ تعلقات کے لیے سفراء و خطوط اور ریکارڈ کے لیے کاتبین وحی و عمال کا نظام۔ اس ریاست کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ حاکم اور محکوم دونوں شریعت کے پابند تھے اور حکمران کا منصب خدمت اور جواب دہی سے جڑا ہوا تھا۔ اس کے اثرات یہ نکلے کہ جزیرہ نما عرب میں پہلی مرتبہ ایک منظم، دستوری اور کثیر المذاہب شہری نظام وجود میں آیا، جو بعد کی اسلامی ریاستوں کے لیے نمونہ بنا۔

جدول: ہجرت کے بعد کی نمایاں معاشرتی تبدیلیاں اور ان کے اثرات

شعبہ	تبدیلی	اثر
سماجی شناخت	قبائلی عصبیت کی جگہ ایمانی اخوت	اوس و خزرج کا اتحاد اور مہاجر و انصار کی یکجہتی
عبادت و تعلیم	مسجد نبوی اور صفہ کا قیام	علم و عبادت کا مرکزی نظام اور معلمین کی ہجرت
معیشت	زکوٰۃ، سود کی ممانعت اور مسلمان بازار	مال کی منصفانہ گردش اور کمزوروں کا تحفظ
تاریخ و تقویم	سن ہجری کا آغاز	مستقل تہذیبی شناخت اور عبادات کا منظم حساب
سیاست	میثاق مدینہ اور ریاستی ادارے	دستوری، کثیر المذاہب اور محفوظ شہری نظام

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ ہجرت نبوی کے بعد مدینہ میں شناخت، عبادت، معیشت، خاندان، عدل اور سیاست، غرض زندگی کے ہر شعبے میں انقلابی تبدیلی آئی۔ تقویم ہجری نے اس انقلاب کو ایک دائمی تاریخی شناخت دی، مواخات نے اس کی سماجی بنیاد کو ایثار و خودداری سے مضبوط کیا اور میثاق مدینہ نے اسے ایک باقاعدہ ریاست کی صورت دی۔ ان تبدیلیوں کے اثرات صرف مدینہ تک محدود نہ رہے بلکہ چند ہی دہائیوں میں یہ نظام عالمگیر تہذیب کی بنیاد بن گیا۔ فقہ السیرۃ کا طالب علم ان واقعات سے یہ سبق لیتا ہے کہ پائیدار تبدیلی نعروں سے نہیں، اداروں، اخلاق اور منصفانہ نظام سے آتی ہے۔